روزنامہ
Daily SADA-E-WATAN
صدائے وطن
ایڈیٹر انچیف شفقت محسن چوہدری
لاہور، گوجرانوالہ، راولپنڈی، اسلام آباد، کراچی سے بیک وقت شائع ہونے والا قومی اخبار



سرمایہ حیات

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حجۃ الکاملین سند الواصلین مظہر العلوم الخفیہ والجلیہ

المخدوم السید ابو الحسن علی بن عثمان الہجویری رحمۃ اللہ علیہ



محمد گوہر طفیل

اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کیلئے اپنے فضل وکرم سے انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اس سلسلے کی آخری کڑی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات کو قرار دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ختم نبوت کے تاج سے سرفراز فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب نبوت کو اہم اور بھاری ذمہ داریوں میں سے ایک اہم فریضہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات عالیہ میں سے ایک اعلیٰ صفت اللہ نے قرآن پاک میں "ویزکیھم" کے الفاظ سے ذکر فرمائی، یعنی سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکام شریعت کے ساتھ ساتھ لوگوں کے قلوب بھی آلائشوں سے پاک صاف فرماتے ہیں۔ لہٰذا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فیضان قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے جاری ہوگیا اور یوں ظاہر وباطن کی طہارت کا یہ سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان، تابعین، تبع تابعین، اولیائے کاملین، مشائخ عظام اور جمیع بزرگان دین کے ذریعے جاری رہا اور قیامت تک رہے گا۔ ان نفوس قدسیہ میں جہاں بلند وبالا نام نظر آتے ہیں ان میں ایک نام عارف ربانی سید علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ آپؒ کا اسم گرامی خود آپؒ کی تحریر کے مطابق "علی بن عثمان جلابی یا علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ہے۔ آپؒ غزنی کے قریب جلاب وہجویر کے رہنے والے تھے۔ اسی مناسبت سے کبھی آپؒ خود کو جلابی اور کبھی ہجویری تحریر فرماتے تھے۔ اب برصغیر پاک وہند میں داتا گنج بخش کے لقب سے مشہور ومعروف ہیں۔ گنج بخش کا لقب حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے آپؒ کے مزار فائز الانوار پر چلہ کشی کے بعد بوقت رخصت ایک الوداعی منقبت میں پیش کیا تھا۔ آپؒ کا سلسلہ نسب جس پر آپؒ کے اکثر سوانح نگاروں نے اتفاق کیا ہے یہ ہے: حضرت علی ہجویری بن عثمان بن سید علی بن حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت سید شجاع بن ابوالحسن علی بن حسین اصغر بن سید زید بن حضرت امام حسن بن حضرت علیؓ بن ابی طالب بن عبدالمطلب قریشی وہاشمی۔ آپؒ نے اپنی ولادت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ آپؒ اگر تحریر فرما دیتے تو پھر بحث وتکرار کی گنجائش نہ رہتی۔ آپؒ نے شاید از راہ تواضع اپنی تاریخ پیدائش کو کوئی اہم تاریخی واقعہ قرار نہ دیتے ہوئے اس کی تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی۔ چونکہ آپؒ نے اپنی تاریخ ولادت نہیں لکھی اسی لیے سوانح نگاروں نے بھی آپؒ کے سن ولادت کے متعلق ظن وتخمین ہی سے کام لیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپؒ کی ولادت باسعادت پانچویں صدی ہجری کے شروع میں ہوئی۔ (ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، مقالات دینی وعلمی، ۱:۲۲۳) دوسری روایت یہ ہے کہ ولادت پاک ۴۰۰ ہجری بمطابق ۱۰۱۰ء میں ہوئی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 19:9 پنجاب یونیورسٹی لاہور) تیسری روایت اس طرح ہے کہ آپؒ ۴۰۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ (صباح الدین عبدالرحمٰن بزم صوفیاء ۱:۱۰۱ اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء) چوتھی روایت یوں ہے کہ آپؒ کی پیدائش مبارکہ دسویں صدی عیسوی کے آخر یا گیارہویں صدی عیسوی کے ابتدائی عشرے میں ہوئی (آر۔ اے۔ نکلسن انگریزی ترجمہ کشف المحجوب صفحہ ۱۹ طبع لاہور)۔ ۴۰۰ ہجری والی روایت زیادہ معتبر ہے۔ آپؒ محض صوفی ہی نہ تھے بلکہ اپنے وقت کے سب سے بڑے جید عالم دین تھے۔ آپؒ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے کشف المحجوب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، آپؒ فقہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد اور سلسلہ جنیدیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ کے مرید تھے۔ آپؒ نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اسکی تفصیل بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ: "ایک دن ملک شام تھا۔ وہاں مؤذن رسول حضرت بلالؓ کے مزار پر سو رہا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں مکہ میں ہوں اور حضور ﷺ باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لائے اور ایک بوڑھے کو یوں آغوش میں لیئے ہوئے ہیں جیسے کہ پیار سے چھوٹے بچوں کو اٹھاتے ہیں۔ میں دوڑ کر حضور ﷺ کے پاؤں اور ہاتھوں کو چوم لیا اور حیران تھا کہ آخر وہ بوڑھا کون ہے؟ اور یہ کیا ماجرا ہے؟ حضور ﷺ نے معجزانہ انداز میں میرے دل کی بات معلوم کر لی"۔ اور فرمایا کہ "یہ تمہارے اور تمہارے اہل دیار کے امام یعنی ابوحنیفہ ہیں"۔ (گنج مطلوب ترجمہ کشف المحجوب) آپؒ کا خاندان غزنی کے ممتاز اور عالم فاضل گھرانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپؒ کے نانا غزنی کی سرکردہ شخصیات میں شمار کئے جاتے تھے اور مالی اعتبار سے یہ مضبوط اور مستحکم خاندان تصور کیا جاتا تھا۔ آپؒ کے ماموں اپنے زہد وتقویٰ کی بناء پر تاج الاولیاء کے لقب سے معروف تھے۔ آپؒ کے والد گرامی چوتھی صدی ہجری کے آخر میں عباسی حکمران بہاء الدولہ کے دور میں جو کہ بدامنی، افراتفری، مفلوک الحالی کا دور تھا، اپنے خاندان کے ہمراہ امن وآشتی کی تلاش میں اپنے وطن سے نکلے اور غزنی میں آباد ہوگئے۔ آپؒ کے والد گرامیؒ بڑے عابد اور زاہد تھے۔ شریعت اور طریقت کے مسائل سے پوری طرح آگاہ تھے اور اس کے پابند بھی۔ عقیدہ توحید پر سختی سے کاربند تھے اور فقہ حنفیہ کے پیروکار تھے۔ آپؒ اپنے عقیدے اور عمل میں کتاب وسنت کی پابندی ملحوظ خاطر رکھتے صبر ورضا، توکل، وقناعت، درویشی وفقر آپؒ کی طبیعت کا جز وتھی۔ عبادت الٰہی اور ذکر الٰہی میں اپنا وقت گذارتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی والدہ ایک نیک سیرت اور پاکباز خاتون تھیں۔ ان کی شادی سید عثمان بن علیؒ سے ہوئی اور حضرت داتا گنج بخشؒ آپؒ کی اکلوتی اولاد تھے۔ آپؒ بہت مہمان نواز تھیں۔ پردے کی پابند اور شوہر کی اطاعت اپنا فرض اولین سمجھتی تھیں۔ آپؒ کا وصال غزنی میں ہوا اور آپؒ کو آپؒ کے بھائی تاج الاولیاء کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کا قد مبارک میانہ، جسم سڈول اور گٹھا ہوا تھا۔ جسم کی ہڈیاں مضبوط اور بڑی تھیں۔ فراخ سینہ اور ہاتھ پاؤں مناسب تھے۔ چہرہ گول تھا نہ لمبا۔ سرخ وسفید چمکدار رنگت، کشادہ جبیں اور بال سیاہ گھنے تھے۔ بڑی اور غلافی آنکھوں پر خمدار گھنی ابروتھیں۔ ستواں ناک درمیانے ہونٹ اور رخسار بھرے ہوئے تھے۔ چوڑے اور مضبوط شانوں پر اٹھی ہوئی گردن تھی۔ ریش مبارک گھنی تھی آپ بڑے جاذب نظر اور پرکشش تھے۔ آپؒ لباس کے معاملے میں کسی قسم کا تکلف نہیں برتتے تھے۔ جو ملتا تھا صبر وشکر کے ساتھ اس کو زیب تن کر لیتے۔ لباس دکھاوے اور نمود ونمائش کے لئے نہیں بلکہ صرف تن ڈھانپنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپؒ نے غزنی کے مختلف مدارس سے اس دور کے مروجہ علوم یعنی عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد علم فقہ، علم حدیث وتفسیر، علم منطق اور فلسفہ پر عبور حاصل کیا۔ اس طرح آپؒ کو علم شریعت میں پوری طرح مہارت حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد مختلف شہروں میں علوم ظاہری وباطنی کی سعی کی۔ علمی پختگی حاصل کرنے کے لیے آپؒ نے جن اساتذہ سے فیض حاصل کیا ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے: شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری، ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی، امام ابوالعباس بن محمد اشقانی، شیخ ابوسعید ابوالخیر، خواجہ احمد مظفر بن احمد بن حمدان، ابوالعباس بن محمد، ابوجعفر محمد بن مصباح صدلانی فرغانی، حضرت ابوعبداللہ بن علی الداغستانی، حضرت شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی رحمتہ اللہ علیہم کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپؒ نے "کشف الاسرار" میں شیخ ابوالقاسمؒ کو اپنا علم دین کا استاد لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: "میرے علم دین کے استاد فرمایا کرتے تھے فقر میں رضاجوئی مرشد سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ پس فقیر کو چاہیے کہ مرشد ہی کو حضوری رکھے یعنی ہر وقت مرشد کو اپنے پاس ہی سمجھے۔ آگے مرشد کی تعریف کے ضمن میں بتایا ہے کہ اسے کس قسم کا ہونا چاہیے" ایسا نہ ہو کہ وہ خود ہی ڈوبا ہوا ہو اور اپنے مرید کو بھی لے ڈوبے۔" محمد دین فوق اپنی تصنیف "داتا گنج بخش" میں لکھتے ہیں: "حضرتؒ نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی، جہاں انہوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ گیارہ سال سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا تھا۔ مقدر نے آخر پھنسا دیا اور عیال کی محبت میں دل وجان سے بن دیکھے ہی گرفتار ہوگیا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی کتاب "تصوف اور اسلام" میں لکھتے ہیں کہ "قید از دواج" سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزاد رہے البتہ ایک مقام پر آپ بیتی یوں بیان کرتے ہیں کہ جیسے غائبانہ کسی سے تعلقات محبت قائم ہوگئے تھے اور یہ ایک سال تک اس زخم لطیف کے گھائل بنے رہے، پھر آخر اس سے نجات مل گئی۔ پروفیسر نکلسن ترجمہ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں: میں ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا۔ چنانچہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی محبت اور لطف وکمال بخش کر مجھے نجات عطا کی"۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک کے بعد دوسری بیوی کا بھی ایک سال بعد انتقال ہوگیا۔ ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ بچپن ہی میں آپؒ کا نکاح ہوگیا تھا۔ اور پہلی بیوی کے انتقال کے گیارہ سال بعد تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ پہلی شادی آپؒ کے والدین کی موجودگی میں ہوئی اور دوسری شادی بھی والدین کے اصرار پر ہوئی ہوگی کیونکہ دوسری بیوی کے انتقال کے بعد آپؒ نے زندگی بھر نکاح نہیں کیا۔ آپؒ سلوک کی منازل، شریعت، طریقت، معرفت الٰہی میں کامل ہو چکے تو آپؒ کے پیر ومرشد کو معلوم ہوگیا کہ وہ وقت آگیا ہے کہ ان کے فیض کی روشنی عوام تک بھی پہنچے اور وہ ان سے فیض یاب ہوں۔ اور تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیں۔ تاکہ ان کی ولایت کا فیض دنیا کو منور کرتا رہے۔ اور تبلیغ دین میں کوئی جمود نہ آنے پائے۔ چنانچہ جب آپ بھی حصول معرفت میں عرفان کی بلندیوں تک پہنچ گئے تو آپؒ کے مرشد نے بھی آپؒ کو حکم دیا کہ تم لاہور چلے جاؤ اور وہاں اپنے علم وفضل سے توحید کی شمع روشن کرو۔ مرشد کا حکم سنتے ہی آپؒ اپنے وطن غزنی گئے اور لاہور جانے کے لیے تیاری شروع کر دی۔ غزنی سے لاہور تک کا سفر بہت دشوار تھا۔ اس زمانے میں سفر کی کوئی سہولت نہیں تھی۔ آپؒ بغیر کسی ساز وسامان کے پاپیادہ اپنے دو رفیقوں کے ہمراہ عازم سفر ہوئے، اس ملک کی طرف جہاں کی معاشرت، تہذیب، زبان سے ناواقف تھے۔ لیکن اپنے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپؒ شیخ احمد حماد سرخسی اور شیخ ابوسعید ہجویری کے ہمراہ اس اجنبی ملک کی طرف روانہ ہوئے، راستہ دشوار گزار پہاڑیوں پر مشتمل تھا۔ یہ تینوں برگزیدہ بندے انتہائی مشقت اٹھاتے ہوئے پہاڑی راستے کو عبور کرتے پشاور پہنچے اور پھر پنجاب کے دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے لاہور پہنچے۔ مختلف روایات اور کتابوں کے حوالے سے آپ کی لاہور آمد کا سن ۴۳۱ھ، ۱۰۳۹ء درج ہے۔ آپؒ کی لاہور آمد سے پہلے ہی اگرچہ اسلام کی روشنی پھیلنا شروع ہوگئی تھی۔ آپؒ کے آنے سے پہلے جو بزرگ یہاں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے رہے تھے ان کی کاوشوں سے بہت لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے تھے۔ مگر ہندو پروہتوں کا اجارہ داری کی وجہ سے تبلیغ دین کا فریضہ انجام دینا جہاد بالسیف سے بڑا کارنامہ ہے۔ آپؒ کا لاہور میں آنے کا مقصد لوگوں کو دین حق کی دعوت دینا تھا۔ اور اس مقصد کے لیئے آپؒ اپنے وطن غزنی کو چھوڑ کر یہاں آئے تھے۔ آپؒ نے جب یہاں تبلیغ کا آغاز فرمایا تو آپؒ کے پاس جو آتا اسے اللہ پر ایمان لانے کی ترغیب دیتے۔ اسے دین اسلام کے عقائد سے آگاہ کرتے اور اس کے لئے بارگاہ خداوندی میں فرماتے کہ خدا ان کو اسلام قبول کرنے کی سعادت عطا فرما۔ آپؒ کے پاس آنے والے لوگوں آپؒ کی روحانیت کے باعث دینی اور دنیاوی فیض حاصل اور آپؒ کی دعاؤں کی برکت سے کئی مریضوں کو شفاء نصیب ہونے لگی۔ سب سے پہلے جو غیر مسلم آپؒ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا وہ کوئی عام اور معمولی غیر مسلم نہیں تھا۔ بلکہ ایک ایسا ہندو راجپوت تھا کہ لاہور اور اس کے گرد ونواح میں اس کا بڑا چرچا تھا۔ لوگ اس کو بہت نذر ونیاز دیتے تھے۔ یہ شخص دودھ پیتا تھا اور جو اسے دودھ نہ پہنچاتے یہ ظالم جادو کے ذریعے انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتا تھا۔ آپؒ نے ایک صبح دیکھا کہ ایک بڑھیا ایک مٹکا سر پر اٹھائے جارہی تھی۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ دودھ ہے۔ فرمایا کہاں لے جارہی ہو؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا کہ اگر ہم رائے راجو جوگی کو دودھ نہ دیں تو ہمارے جانوروں کے تھنوں میں دودھ کی بجائے خون بھر جاتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ یہ دودھ ہمیں دے دو۔ تمہارے جانور کئی گنا بڑھ جائیں گیں اور دودھ بھی زیادہ دیں گیں۔ اس نے دودھ دے دیا اور واقع دوسری صبح اس کے جانوروں کے دودھ میں اضافہ ہوگیا۔ اس کے برتن اس کے جانوروں کے دودھ سے بھر جاتے۔ بات چلتی چلتی مشہور ہوگئی اور ادھر رائے راجو کو بھی خبر ہوگئی۔ وہ آپؒ کی اس کرامت کا سن کر سخت غضبناک ہوا اور آپؒ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ دودھ کی کرامت تو میں نے سنی ہے۔ اگر کوئی اور کرامت بھی ہے تو مجھے دکھاؤ آپؒ نے فرمایا کہ تیرے پاس کچھ ہے تو ظاہر کر۔ اس نے منتر پڑھا اور ہوا میں پرواز شروع کر دی۔ آپؒ نے اپنی لکڑی کی جوتی کو حکم دیا کہ جاؤ اور اس کو واپس لاؤ۔ اب آپؒ کے جوتے پرواز کرنے لگے اور فضا میں جاکر رائے راجو کے سر میں برسنے لگے۔ اور اس کو واپس آپؒ کے قدموں میں لے آئے۔ آتے ہی آپؒ کے قدموں میں گر پڑا۔ توبہ کی اور حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ آپؒ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور اس کی روحانی وفکری تربیت فرمائی۔ آگے چل کر یہی عبداللہ شیخ ہندی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور آپؒ کے وصال کے بعد ان کے سجادہ نشین بنے۔ اسی رائے راجو کے راہ راست پر آنے کے واقعہ سے لاہور میں لوگ دودھ آپؒ کی خدمت میں پیش کرتیا اور آج تک یہ معمول چلا آرہا ہے کہ ملک بھر کے گوالے عرس مبارک کے موقع پر دودھ کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور آپؒ کے ایصال ثواب کے لیے دودھ کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں۔ آپؒ نے لاہور تشریف لاتے ہی اپنی خانقاہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروائی جس کی معراب دیگر مساجد کی بہ نسبت جنوب کی طرف مائل تھی۔ کہتے ہیں کہ اس وقت کے علماء جو لاہور میں موجود تھے۔ اس معراب کی سمت کے سلسلے میں آپؒ پر معترض ہوئے۔ چنانچہ ایک روز آپؒ نے سب علماء کو جمع کیا اور خود امامت کے فرائض انجام دیے۔ اور بعد ادائے نماز حاضرین سے مخاطب ہوکر کہا "دیکھو کعبہ شریف کس سمت ہے؟" دیکھا تو حجابات اٹھ گئے اور کعبہ شریف محراب کی سیدھ میں نمودار ہو گیا۔ کشف المحجوب میں آپؒ نے اپنا ایک واقع بیان کیا ہے کہ آپؒ ایک دن شہر کے اس طرف گئے جہاں ہندوؤں کے مندر تھے۔ یہ علاقہ آج کل رنگ محل کے قریب پانی والا تالاب کے نام سے معروف ہے۔ اس زمانے میں یہاں راوی مندر تھا۔ جہاں بتوں کی پوجا میں ہندو مصروف رہتے تھے۔ آپؒ نے مندر کے قریب جاکر دیکھا کہ ایک ہندو ایک بت کے سامنے کھڑا ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں گندم کے آٹے کی روٹی سے بنی ہوئی چوری ہے۔ آپؒ داخل ہوگئے اور بت کو مخاطب کر کے کہا "اللہ کے حکم سے چوری کھاؤ" تو وہ بت چوری کھانے لگا، کچھ اور ہندو بھی وہاں موجود تھے اور ان کا پجاری بھی تھا۔ اسے دل میں افسوس ہوا کہ ہم سے ایسے واقعات سرزد نہیں ہوتے، اسے اپنی توہین محسوس ہوئی۔ اور اس نے چوری والے ہندو سے کہا کہ تمہارے اس طرح کرنے سے دیوتا تم سے ناراض ہوگئے ہیں۔ لہٰذا آج سے ہمارا اور تمہارا ناطہ ختم ہوگیا ہے۔ وہ پروہت ہندو سے ناراض ہوگیا۔ کچھ روز کے بعد وہ چوری والا ہندو آپؒ کی خدمت میں حاظر ہوا اور کہنے لگا کہ یہ لوگ اس روز کے واقعہ سے انکار کررہے ہیں۔ کوئی میری بات کو سچ نہیں مانتا، آپؒ نے فرمایا اپنے رشتے داروں اور عزیزوں کو اکھٹا کر کے لاؤ اور اللہ کی طاقت دیکھو۔ سب لوگ جمع ہوگئے، آپؒ نے پھر بت کو حکم دیا کہ چوری کھاؤ تو وہ چوری کھانے لگا۔ ہندو لوگ یہ واقع دیکھ کر حیرت زدہ ہوگئے۔ آپؒ نے فرمایا اللہ ہر چیز پر قادر ہے تم ان بے جان بتوں کی پرستش سے باز آجاؤ۔ توبہ کرو اور اللہ کے دین کی طرف آؤ۔ آپؒ کی اس کرامت سے بے شمار ہندو مسلمان ہوگئے۔ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ کسی کو بھی اس سے مفر نہیں۔ وہ نیک لوگ ہوں خواہ ان کا دامن گناہوں سے آلودہ ہو۔ وہ پیغمبر ہوں یا اولیاء اللہ ہر انسان کو اس دار فانی سے کوچ کرنا ہے۔ چنانچہ وہ دن بھی آگیا جب اس پیر طریقت کو زندگی کے حقیقی سفر پر روانہ ہونا پڑا، کسی بھی کتاب سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپؒ کتنے دن بیمار رہے۔ اور کس مہینے کی کس تاریخ کو رحلت فرمائی۔ چونکہ آپؒ کا عرس ہر سال صفر کی انیس تاریخ کو ہوتا ہے اس لیے قیاس کیا جاتا ہے کہ آپؒ کا وصال بھی اسی مہینے ہوا ہوگا۔ پیدائش کی طرح آپؒ کے سال وفات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہت سے محققین اور تذکرہ نگاروں نے آپؒ کا سال وفات ۱۰۷۸ء سے اتفاق کیا ہے۔ آپؒ نے اپنی زندگی کے ۳۴ سال لاہور میں گزارے اور اسی شہر میں بھی چند روز کی علالت کے بعد اس جہان فانی کو خیرباد کہا۔ آپؒ کی نماز جنازہ آپؒ کے خلیفہ حضرت شیخ ہندیؒ نے پڑھائی۔ آپؒ کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے اور آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرتا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کی اور آپ کو گنج بخش کا لقب دیا۔

آپؒ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے کشف المحجوب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، آپؒ فقہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد اور سلسلہ جنیدیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ کے مرید تھے۔





